



JIHĀT-UL-ISLĀM  
Vol: 15, Issue: 01, October –December 2021

OPEN ACCESS  
JIHĀT-UL-ISLĀM  
pISSN: 1998-4472  
eISSN: 2521-425X  
www.jihat-ul-islam.com.pk

## اردو ترجمہ قرآن کی روایت: اسباب و محرکات کا جائزہ

### Tradition of Urdu Translation of the Holy Quran; An overview of Causes and Motivations.

*Hafiz Muhammad Tahir Mustafa\**

*Lecturer, department of Islamic Studies, University of Sialkot, Sialkot.*

*Hafiz Qamar Iqbal \*\**

*Visiting lecturer of Islamic studies. University of education, Vehari campus.*

#### **Abstract**

*In the Indian subcontinent, the first complete translation of the Holy Quran was written in the 19th century. Subsequently, several translations appeared in the epistemic sphere. It encouraged academics to provide their scholarly opinion about them. Comparing different translations, they drafted both books and articles on their introduction, history, and importance. However, the reasons behind their emergence are overlooked. Mainly using an analytical approach, the present study tried to find out the main objectives of the translators. For this purpose, this paper studies the methodology mentioned in the prefaces and adopted while translating. It is argued that the emergence of these translations was not only part of a noble practice but also there were several other reasons behind it. It includes the development of Urdu language, the existence of abandoned words and abbreviations in the translation works, the lexical and legal objections in previous translations, new interpretations, easiness for like-minded people, and satisfaction of the taste of the translator. In the light of this study in present era, It will be easy to find out the gape and justify the new translation of the Holy Quran.*

**Keywords:** Urdu Quranic Translation, Translators of the Holy Quran, Causes of new Urdu translation.



## تمہید و تعارف

قرآن کریم عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ جب تک یہ آفاقی پیغام خطہ عرب میں رہا تو اس کی عربی زبان میں ہی تشریح و توضیح ہوتی رہی۔ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور مسلمان دوسرے ملکوں اور علاقوں میں پہنچے جہاں کے باشندے دیگر زبانیں بولتے تھے۔ اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ انھیں قرآن کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے اسے عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی منتقل کیا جائے۔ اس لیے دنیا کی بہت سی زبانوں میں قرآن کے تراجم ہوئے اور تفسیریں لکھی گئیں۔ اس میدان میں نہ صرف مسلمان علماء اور دانش وروں نے اہم خدمات سرانجام دیں، بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے بھی دلچسپی لی، تاہم اس کے نتیجے میں مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم، تفسیر اور علوم قرآنی کے مختلف موضوعات اور متعلقات قرآن پر اتنی تصانیف منظر عام پر آگئیں جس کی مثال تاریخ انسانی میں شاید ہی ملتی ہو۔ اس موضوع پر شائع ہونے والی کتابیات سے کام کی وسعت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔<sup>1</sup>

مسلمانوں کے نزدیک الہامی کتاب ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کے الفاظ و آیات میں اس قدر جامعیت و وسعت ہے کہ ان کی تفسیر و تشریح کی کوشش تو کی جاسکتی ہے مگر کسی بھی زبان میں نہ تو اس کے ترجمہ کا حق ادا کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسکے معانی و مفہام کا مکمل احاطہ ممکن ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ترجمہ و تفسیر قرآن کی روایت تیسری صدی ہجری میں پڑ چکی تھی<sup>2</sup> اور شاہ ولی اللہ (متوفی 1762) کے دور تک متعدد زبانوں میں تراجم و تفسیر قرآن منظر عام پر آچکے تھے۔ مگر ترجمہ قرآن کی تحریک کا آغاز تب ہوا جب شاہ صاحب نے اپنا مشہور زمانہ ترجمہ فتح الرحمن بزبان فارسی کیا۔

ڈپٹی نذیر احمد (متوفی 1912) لکھتے ہیں کہ "جب ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے، ایک فارسی مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا، اکٹھے دو اردو، ایک شاہ عبد القادر صاحب (متوفی 1230ھ بمطابق 1814ء) کا اور ایک شاہ رفیع الدین صاحب (متوفی 1233ھ بمطابق 1818ء) کا<sup>3</sup>۔ تو اب ہر ایک کو ترجمہ کا حوصلہ ہو گیا۔ مگر خاندان شاہ ولی اللہ کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ ہر گز مترجم نہیں بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ انہی ترجموں میں اس نے رد و بدل، تقدیم تاخیر کر کے جدید ترجمہ کا نام کر دیا۔"<sup>4</sup>

ڈپٹی نذیر احمد نے شاہ عبد القادر کے ترجمہ کے 106 سال بعد 1311ھ میں اپنا ترجمہ قرآن کیا۔ ان سے پہلے بھی متعدد تراجم قرآن موجود تھے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب و عوامل اور محرکات تھے جن کی بدولت مترجمین نے اپنے اپنے ادوار میں نئے تراجم کی ضرورت کو محسوس کیا۔

سابقہ کام کا جائزہ

قرآن کریم کی خدمت کو محققین نے ہر دور میں باعث یمن و سعادت سمجھا ہے۔ ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین نے اردو تراجم قرآن کی تاریخ، تعارف، تبصرہ اور تقابلی جائزہ پر "قرآن حکیم کے اردو تراجم" کے عنوان سے اپنی پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جو ان کے بقول ہی "ایک انسائیکلو پیڈیا کی صورت اختیار کر گیا ہے۔"<sup>5</sup> اس کتاب میں انہوں نے لسانی ارتقاء، زمانی تقاضے، اپنے خیالات کی ترویج اور دوسروں کے خیالات کی تردید، حصول ثواب، غرض تجارت اور تعلیمات قرآن کو مسح کرنے کی کوشش "کو اسباب اردو ترجمہ قرآن

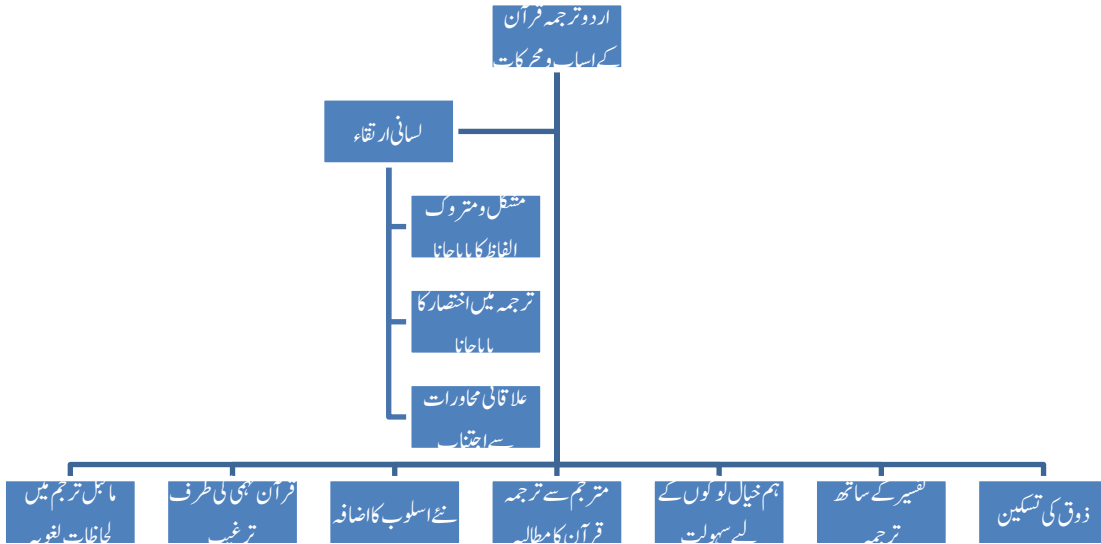
قرار دیا ہے۔<sup>6</sup> انہوں نے اس فرضیہ پر دلائل نہیں دیے۔ اس لیے جہاں اس کے درست یا غلط ہونے کے امکانات ہیں وہاں ان اسباب کے علاوہ دیگر اسباب ترجمہ کا پایا جانا بھی ممکن ہے۔ یہ مقالہ جہاں صالحہ عبد الحکیم شرف الدین کے بیان کردہ اسباب ترجمہ کی تحقیق کرے گا وہاں دیگر اسباب کی تلاش میں بھی مدد و معاون ثابت ہوگا۔

منہج تحقیق

اس مقالہ میں اسباب ترجمہ کو معلوم کرنے کے لیے تراجم و تفاسیر کے مقدمے ادبیات اور مترجمین کی دیگر تصنیفات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ بعض مترجمین نے ترجمہ کے متعدد مقاصد لکھے ہیں۔ اگر مختلف مترجمین کے مقاصد ترجمہ قرآن میں اشتراک پایا جا رہا ہو تو ہر مصنف کے مقاصد کو الگ بیان کرنے کی بجائے، اکٹھا ہی بیان کر دیا گیا ہے۔

### اردو ترجمہ قرآن کے اسباب و محرکات

ترجمہ قرآن کے اسباب میں سے پہلا سبب پیغام اسلام کا غیر عربی علاقوں میں پھیلنا ہے۔ اس صورت میں تو کسی بھی زبان میں ایک ترجمہ ہی کافی و شافی ہونا چاہیے تھا مگر حقیقت اس سے مختلف ہے۔ صرف اردو زبان میں سو سے زیادہ تراجم ہو چکے ہیں۔ ان تراجم قرآن کے اسباب و محرکات کو درج ذیل خاکہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔



### اردو زبان کا ارتقاء

برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان بطور ذریعہ اظہار مقبول ہوئی ہے۔ شعری و نثری ادب کے ساتھ مذہبی ادب کا بہت حصہ اسی زبان میں ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح اس پر بھی تدریجی ادوار گزرے۔ مختلف ادوار و علاقہ جات میں اسے مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا۔ ڈاکٹر

جمیل جالبی (متوفی 2019) زبان کے ارتقائی عمل کے متعلق رقمطراز ہیں: "مختلف تہذیبی عوامل، رنگارنگ قدرتی عناصر، مسلسل میل جول اور رسوم معاشرت گھل مل کر رفتہ رفتہ صدیوں میں جا کر کسی زبان کے خدوخال اجاگر کرتے ہیں۔ اسی لیے دنیا کی ہر زبان میں لسانی عمل اور ادب کی تخلیق کے درمیان وقت کا ایک طویل فاصلہ ہوتا ہے۔ بولی صدیوں میں جا کر زبان بنتی، اپنی شکل بناتی، اور اپنے خدوخال اجاگر کرتی ہے۔ لسانی ارتقاء کی تاریخ جب ایک ایسی منزل پر پہنچ جاتی ہے جہاں محسوس کرنے والا انسان، سوچنے والا ذہن اور اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے والے افراد اس زبان میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کی سہولت پاتے ہیں تو ادب کی تخلیق اپنا سر نکالتی ہے۔"<sup>7</sup>

لسانی ارتقاء سے مراد الفاظ اور جملوں کی ساخت میں تبدیلی، مترادف الفاظ، تراکیب اور محاورات کا استعمال، وقت کے ساتھ کچھ الفاظ کا متروک ہونا، نئے الفاظ کا شامل ہونا، پھر معنی و مفہوم میں لسانی تبدیلی بھی اس میں شامل ہے۔<sup>8</sup> اردو زبان میں بھی مرور زمانہ کے ساتھ ارتقائی عمل جاری رہا۔ نئے اردو تراجم قرآن کے معرض وجود میں آنے کے اسباب میں سے ایک لسانی ارتقاء بھی ہے۔ لسانی ارتقاء کی مختلف جہات نئے اردو ترجمے کا باعث بنی۔ ذیل میں ان مختلف جہات کو بیان کیا جاتا ہے۔

ترجمہ میں مشکل و متروک الفاظ اور اختصار کا پایا جانا

شاہ عبدالقادر دہلوی نے 1205ھ بمطابق 1790ء میں ترجمہ قرآن مکمل کیا اور اس میں جو الفاظ و محاورات استعمال کیے وہ اس دور میں مروج تھے۔ مزید برآں آپ نے شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ قوانین ترجمہ کو بھی ملحوظ خاطر رکھا۔ مگر مرور زمانہ کے ساتھ اردو زبان میں ارتقائی عمل جاری رہا۔ اس پر مختلف تہذیبوں، علاقوں اور رسم و رواج کے اثرات واقع ہوئے اور وہ محاورات جو شاہ عبدالقادر نے استعمال کیے ان کا استعمال متروک ہو گیا یا علاقہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا معنی بدل گیا تو ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسے تراجم میں متروک محاورات کو مروج محاورات اور معروف معانی سے تبدیل کر دیا جائے اور ترجمہ میں جہاں اجمال ہو اسے کھول دیا جائے۔ موضح قرآن کے لیے یہ کام شیخ محمود حسن دیوبندی (متوفی 1920) نے سرانجام دیا جو کہ ایک نئے ترجمہ قرآن کی صورت میں سامنے آیا۔ آپ اپنے ترجمہ کی غرض و غایت لکھتے ہیں: اس ننگِ خلافت کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح<sup>9</sup> کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو کل دو غلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا متروک ہو جانا، دوسرے بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا، جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر ابنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی کہ جس سے ایسے مفید اور قابل قدر ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروک کی جگہ الفاظ مستعمل لے لیے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبیر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کھول دیا جائے تو پھر ان شاء اللہ حضرت شاہ صاحب کا یہ صدقہ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے اور مسلمانان ہند بھی اس کے فوائد مخصوصہ سے خالی نہیں رہ جائیں گے۔<sup>10</sup>

یہ کام موضح قرآن کی تسہیل تیار کر کے بھی کیا جاسکتا ہے جیسے مولانا احمد رضا خان نے اپنا مشہور زمانہ ترجمہ قرآن کنز الایمان 1330ھ میں مکمل کیا مگر مرور زمانہ کے ساتھ جب اس کے محاورات اور الفاظ سے قارئین نامانوس ہونے لگے تو علامہ اختر شاہ جہاں پوری نے اس کے مشکل الفاظ و محاورات کا نعم البدل "تسہیل کنز الایمان" تیار کیا جس میں 1157 آیات کے مخصوص الفاظ کے سامنے

کنز الایمان کا لفظ لکھا ہے اور قوسین میں اس کا آسان نعم البدل دے دیا ہے۔<sup>11</sup> مزید برآں مکتبۃ المدینہ<sup>12</sup> نے اسی تسہیل کو قوسین میں ہی کنز الایمان کے ساتھ شائع کیا ہے مگر کسی نئے ترجمہ کو متعارف نہیں کروایا۔ البتہ شیخ محمود حسن دیوبندی نے صرف تسہیل کی بجائے ایک نئے ترجمہ کو لانا ہی مناسب سمجھا جو شاید ان کے اسلوب ترجمہ کی مجبوری بھی ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں: جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی وہاں اپنی طرف سے کوئی لفظ بڑھانے کی بجائے اکابرین (شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر) کے تراجم و حواشی سے رہنمائی لی ہے۔ اور جہاں کوئی لفظ اپنی طرف سے داخل کیا ہے اس میں سہل، ہلکے محاورہ کے موافق اور جانب معنی کو ترجیح دی ہے۔ اور جس جگہ ترجمہ میں ترتیب بدلی ہے وہاں بھی ایسی ترتیب لایا ہوں جس کی نظیر اکابر کے تراجم میں موجود ہو۔ جس تغیر ترتیب کی نظیر اکابرین کے تراجم میں نہیں ہے وہ ترمیم میں نے بھی نہیں کی۔ وہ کلمات قرآنی جن کے ترجمہ میں علماء کے ہاں اختلاف ہوا ہے ان میں شاہ عبدالقادر کی موافقت کی ہے۔<sup>13</sup>

مولانا اشرف علی تھانوی نے تفسیر بیان القرآن کے ساتھ ترجمہ دیا ہے اس کی غرض و غایت یوں بیان کرتے ہیں: ہر چند کہ تراجم و تفاسیر محققین سابقین کے بالخصوص خاندان عزیز کے ہر طرح کافی و روانی ہیں مگر ناظرین کی حالت اور طبیعت کا کیا کیا جاوے کہ بعض تفاسیر میں عربی اور فارسی نہ جاننے کی مجبوری، بعض تراجم میں اختصار یا زبان بدل جانے کا عذر مانع دلچسپی ہوا۔ تاویل و مشورے سے یہی ضرورت ثابت ہوئی کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جاوے جس کی زبان و طرز بیان و تقریر مضامین میں ان کے مذاق و ضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظ رہے اور ساتھ ہی اس کے کوئی ضروری مضمون خواہ جزو قرآن ہو یا اس کے متعلق ہو رہ نہ جاوے۔<sup>14</sup>

شیخ محمود حسن دیوبندی (1851-1920) اور مولانا اشرف علی تھانوی (1863-1943) تقریباً ہم عصر ہیں۔ دونوں ہی خاندان شاہ ولی اللہ کی خدمات کے معترف ہیں۔ شیخ محمود حسن نے ترجمہ میں چند ترمیمات کے ساتھ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ ہی اتباع کی ہے مگر مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک نئے ترجمہ کی بنیاد رکھی۔ اس کی ممکنہ وجہ کا اندازہ مولانا اشرف علی تھانوی کے اصول ترجمہ سے ہو سکتا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کیے گئے دو وجہ سے، اول تو میں قصباتی ہوں، محاورات پر عبور نہیں۔ دوسرے یہ کہ محاورات ہر مقام کے جدا جدا ہوتے ہیں۔ اگر دہلی کے محاورات لیے جاتے اہل لکھنؤ نہ سمجھتے، یہاں کے محاورات وہاں نہ سمجھتے، ان دونوں کے محاورے حیدرآباد اور مدارس والے نہ سمجھتے۔ غرض ایسے محاورے عام فہم نہیں ہوتے اور اردو ترجمہ کم از کم ایسا تو ہو کہ قریب قریب ہندوستان کے سب حصے تو اس کو سمجھ جاویں اس لیے کتابی زبان لی ہے کہ فصاحت کے ساتھ اس میں سلاست بھی ہے۔ ترجمہ میں ترکیب کی رعایت زیادہ دی گئی ہے بہ نسبت اتباع محاورہ کے۔<sup>15</sup>

اردو مترجمین قرآن میں سے ڈپٹی نذیر احمد قرآن کریم کو ترجمہ میں ڈھالنا گناہ خیال کرتے تھے۔<sup>16</sup> اس لیے اس سے بچتے ہی رہے مگر لسانی ارتقاء اور سابقہ موجود تراجم کے الفاظ و محاورات کے مستعمل نہ رہنے کی وجہ سے وہ بھی ترجمہ قرآن کی طرف راغب ہو گئے۔ اسی بات کو افتخار احمد صدیقی نے بھی بیان کیا ہے کہ اسی خیال سے وہ عربی زبان کو مسلمانوں کے تعلیمی نصاب کا ایک لازمی جزو بنانے پر زور دیتے تھے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ عربی کا رواج روز بہ روز اٹھتا جا رہا ہے، شاہ صاحبان (شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین) کے

ایک صدی پرانے ترجموں سے قرآن فہمی کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور ایک با محاورہ ترجمے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے تو وہ ترجمے کی طرف مائل ہوئے۔<sup>17</sup>

علامہ غلام رسول سعیدی (متوفی 2016) نے اپنے ترجمہ قرآن کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ "ہمارے بزرگ علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں اس دور کی زبان کے مطابق قرآن مجید کے مفہیم کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے اور ان کی یہ مساعی بہت قابل قدر بلکہ لائق رشک ہیں ، لیکن زبان کا اسلوب اور مزاج وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے، اس کی وجہ سے محسوس کرتا تھا کہ اس دور کے اردو پڑھنے والوں کے مزاج اور ان کے اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہیے تاکہ پڑھنے والوں کے لیے وہ ترجمہ اجنبی اور نامانوس نہ ہو۔ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کیا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بالکل الگ اور عربی متن کی رعایت کیے بغیر قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی جائے میں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کا پابند رکھا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہیں کیا۔"<sup>18</sup>

سابقہ تمام اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لسانی ارتقاء میں سے محاورات یا الفاظ کا متروک ہو جانا، نئے ترجمہ کے معرض وجود میں آنے کا محرک رہا ہے۔ کچھ مترجمین سابقہ اصولوں کے مطابق ہی الفاظ نئے لائے اور اجمال کو انہی کی تفاسیر کی روشنی میں کھول دیا۔ کچھ نے صرف تسہیل تیار کی اور مولانا اشرف علی تھانوی اور ڈپٹی نذیر احمد نے تو لسانی ارتقاء کے مسائل کو دور کرنے کے لیے نئے ترجمہ کی ہی بنیاد رکھی ہے۔

### ما قبل تراجم میں لحاظات لغویہ

برصغیر پاک و ہند میں صاحبزادگان شاہ ولی اللہ کے اردو تراجم کے بعد ترجمہ قرآن کی روایت پڑ گئی۔ اس کے مثبت اور منفی اثرات مرتب ہوئے۔ مثبت تو یہ کہ مرور زمانہ کے ساتھ زبان میں جو تبدیلی واقع ہوئی اس کے مطابق تراجم سامنے آتے گئے۔ منفی اثرات یہ مرتب ہوئے کہ کچھ ایسے لوگوں نے بھی ترجمہ کی کوشش کی جن کی اردو ادب میں شخصیت تو مسلم تھی مگر علوم دینیہ سے واقفیت سرسری تھی۔ جس وجہ سے ترجمہ میں ایسے معانی بھی در آئے جو لغوی یا شرعی اعتبار سے مناسب معلوم نہیں ہوتے تھے۔ بعد آنے والے مترجمین نے ان تراجم میں پائے جانے والے لغوی و شرعی لحاظات کی اصلاح کرنے کے لیے اول تو وسائل لکھے مگر جب یہ کوشش تسلی بخش نہ ہوئی تو پھر خود سے ایک ایسا تراجم لانے کی کوشش کی جن میں ان تمام لغوی و شرعی لحاظات کو مد نظر رکھا۔ مولانا امجد علی اعظمی نے جب مولانا احمد رضا خان بریلوی سے ترجمہ قرآن کا تقاضا کیا تو آپ نے ترجمہ پر آمادگی کا اظہار اس شرط کے ساتھ کیا کہ : دوسرے لوگوں کے تراجم بھی حاصل کر لیے جائیں تاکہ اس ضمن میں ان کی اغلاط پر تنبیہات بھی کر دی جائیں۔ یہ بھی ایک ضروری کام ہے۔<sup>19</sup>

مزید برآں جب مولانا احمد رضا خان سے مولوی حکیم غلام محی الدین لاہوری نے تراجم کی بابت دریافت کیا تو آپ نے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کو ہی مگر ساتھ ہی ساتھ کچھ ملاحظیات بھی فتویٰ میں لکھے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو ضروری اصلاح وہ شاہ صاحب کے ترجمہ میں محسوس کی ان کو اپنے ترجمہ میں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔<sup>20</sup>

مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی تفسیر بیان القرآن کے مقدمہ میں نئے ترجمہ کے لیے کچھ ایسے ہی محرکات کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمہ شائع کرنے شروع کیے، جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھر دیے۔ جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی۔ ہر چند کہ چھوٹے چھوٹے رسالوں سے ان کے مفاسد سے اطلاع دے کر ان مضرتوں کی روک تھام کرنے کی کوشش کی گئی مگر چونکہ کثرت سے کتب بینی کا مذاق پھیل گیا ہے وہ رسالے اس غرض کی تکمیل کے لیے کافی ثابت نہ ہوئے تا وقتیکہ ابناء زمانہ کو کوئی نیا ترجمہ نہ دیا بتلایا جاوے جس میں مشغول ہو کر ان تراجم مبتدعہ محترعہ سے بے التفات ہو جاویں<sup>21</sup>

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری (متوفی 1431ھ بمطابق 2010) نے اپنے ترجمہ قرآن بنام عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن سے قبل بہت سے تراجم میں عربی گرائمر کی رو سے بہت سی بھول چوک محسوس کرتے ہوئے ایک ایسے ترجمہ کی بنیاد رکھی جس میں عربی گرائمر کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہو۔ لکھتے ہیں "الغرض راقم نے عربی گرائمر کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے یہ ترجمہ کیا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ علمائے کرام اس ترجمہ کو عربی گرائمر کے عین مطابق اور اس کی بریکٹوں میں مفید تفسیری و توضیحی اضافے پا کر نہ صرف اس ترجمے کو ایک مثالی ترجمہ کا نام دیں گے بلکہ اسے اس صدی کا عظیم الشان تجدیدی کارنامہ قرار دیں گے"<sup>22</sup> ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ ماقبل تراجم میں اگر لغوی یا شرعی سقم موجود ہو جس سے عام لوگوں کے جہالت میں پڑنے کا خدشہ ہو تو بھی مابعد مترجمین نے ان خرابیوں کا ازالہ کرتے ہوئے ان مقامات کا ترجمہ ایسے اسلوب سے کرنے کی کوشش کی ہے کہ مفاسد سے بچا جاسکے۔

### نئے اسلوب کا اضافہ

اردو ترجمہ کے ابتدائی دور میں الفاظ قرآن کی ترتیب اور لغوی و نحوی پابندی کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا۔ اس لیے قرآن کریم کے با محاورہ یا لفظی تراجم کیے گئے۔ بعد ازاں بعض مترجمین نے یہ محسوس کیا کہ ترجمہ قرآن کا مقصد چونکہ معانی قرآن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے اس لیے الفاظ قرآن کی پابندی اور لغوی پابندیوں سے رعایت برتی گئی ہے۔ یہ اسلوب بھی نئے اردو ترجمہ قرآن کا محرک بنا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ترجمہ قرآن اس اسلوب کی ایک جھلک ہے آپ ترجمہ کی غرض و غایت کے متعلق لکھتے ہیں:

"چونکہ میری غرض اصلی اس تحریر سے صرف یہ ہے کہ عوام اہل اسلام قرآن کریم کے مطالب سے واقف اور آگاہ ہوں، اس لیے میں نے ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ عربیہ کی پابندی نہیں کی۔ یعنی یہ نہیں کہ جو لفظ پیچھے ہے اس کا ترجمہ بھی پیچھے کروں۔ بلکہ عربی محاورے کو ہندی محاورے میں لایا ہوں اس امر کی پابندی بھی نہیں کی کہ جملہ اسمیہ کا ترجمہ اسمیہ ہی میں ادا کروں، بلکہ مطلب اس کا جس جملہ میں باعتبار محاورہ اردو کے پایا ادا کر دیا۔ بعض جگہ واؤ کو سر کلام سمجھ کر اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ غرض جو کچھ کیا وہ اسی مطلب کے لیے کہ اردو میں با محاورہ کلام ہو۔"<sup>23</sup>

اردو ترجمہ قرآن کی ابتدائی ایک صدی تک مترجمین نے لفظی اور بالمعاورہ ترجمہ کیے۔ بالمعاورہ ترجمہ میں بھی الفاظ قرآن کی ترتیب کا ہر ممکن حد تک خیال رکھا مگر مولانا ثناء اللہ امرتسری ان معروف مترجمین میں سے پہلے معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے آزاد ترجمانی کا تصور دیا۔ جس میں الفاظ قرآنی کی ترتیب، نحوی تحلیل، اور ترتیب کلام کا ترجمہ میں خیال رکھنے کی بجائے صرف اداء مفہوم کو مقدم رکھنا تاکہ قاری کو قرآن کا فہم باسانی حاصل ہو سکے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی ایسے ہی اسلوب کو اپنایا ہے اور اسے ترجمہ کی بجائے "ترجمانی" کا نام دیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ: "میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو، عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں ہو۔ تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو، اور کلام الہی کا مطلب و مدعا صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شہانہ وقار اور زور بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ادائے مطالب کی جسارت کی جائے، لیکن معاملہ کلام الہی کا تھا، اس لیے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے۔ جس حد تک احتیاط میرے امکان میں تھی، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی اپنی عبارت یعنی آزادی بیان کی اجازت دیتی ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔"<sup>24</sup>

تفہیم القرآن میں بیسویں صدی عیسوی کے نصف اخیر کی ایک تفسیر ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو کوئی باک نہیں کی آزاد ترجمہ کا وہ اسلوب جس کی بنیاد مولانا ثناء اللہ امرتسری نے انیسویں صدی کے نصف اخیر میں رکھی اس کو شمر بار مولانا مودودی نے اپنے اسلوب ترجمانی سے بنا دیا۔

### مترجم سے ترجمہ قرآن کا مطالبہ

نزول قرآن کے بعد ہر دور میں طالبان علم کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ علماء و محققین سے معانی قرآن کی تفہیم کے لیے سوال و جواب کرتے رہتے تھے۔ یہ سوال و جواب بعد ازاں کتب کی شکل میں علمی ذخیرہ بن جاتے۔ اسی طرح فارسی اور اردو تراجم قرآن کی تاریخ بھی ہے۔ مترجمین سے شاگردوں، اہل علاقہ، ہم خیال علماء نے ترجمہ قرآن کا تقاضا کیا تو انہوں نے کمر ہمت باندھ لی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے زہراوین (سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران) کا ترجمہ تو اپنے ایماء پر ہی کیا مگر باقی ترجمہ کی سبیل کیسے پیدا ہوئی؟ اس کے متعلق لکھتے ہیں: اس کے کئی سال بعد ایک عزیز نے قرآن مع ترجمہ مجھ سے پڑھنا شروع کیا، اس کی وجہ سے ترجمہ قرآن کا عزم پھر تازہ ہو گیا اور یہ طے پایا کہ جتنا پڑھنا ہے اتنے حصے کا ترجمہ روزانہ لکھ لیا جائے۔"<sup>25</sup>

مشہور یہ ہے کہ شاہ رفیع الدین دہلوی نے اپنے ایک شاگرد سید نجف علی کے ایماء پر انہیں اپنا لفظی ترجمہ الاء کروایا جو شاہ صاحب کی نظر ثانی کے بعد سب سے پہلے 1256ھ میں شاہ عبدالقادر کے تفسیری حواشی کے ساتھ دہلی کے قدیم مطبع اسلامی پریس سے شائع ہوا۔<sup>26</sup>

مولانا احمد رضا خان سے بھی ترجمہ قرآن کا مطالبہ آپ کے ایک شاگرد مولانا امجد علی اعظمی نے کیا۔ آپ رات سونے کے وقت یاد دل قیلولہ کے وقت حاضر خدمت ہو جاتے اور مولانا احمد رضا خان کے سامنے قرآن کی آیت پڑھتے اور آپ اس کا ترجمہ ارشاد فرماتے تھے اور اسے لکھ لیا جاتا تھا۔<sup>27</sup> مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی چند احباب نے ترجمہ قرآن کا مطالبہ کیا جس کا ذکر مولانا نے یوں کیا ہے: یہ ابجد خان مکتب قرآنی مظہر مدعا ہے کہ بہت روز سے خود بھی اور احباب کے اصرار سے بھی گاہ گاہ خیال ہوا کرتا تھا کہ کوئی مختصر تفسیر قرآن مجید کی لکھی جاوے۔<sup>28</sup>

مولانا محمود حسن دیوبندی سے بھی احباب کا تقاضا ہی تھا جو کہ ترجمہ قرآن کا محرک بنا۔ آپ ترجمہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ”بعض احباب اور مکر میں نے بندہ سے درخواست کی کہ قرآن شریف کا ترجمہ سلیس مطلب خیر اردو زبان میں مناسب حال اہل زمانہ کیا جائے جس سے دیکھنے والوں کو فائدہ پہنچے۔“<sup>29</sup>

### تفسیر کے ساتھ نیا ترجمہ

برصغیر پاک و ہند میں اردو ترجمہ کے آغاز کے ساتھ مختصر حواشی لکھنے کا بھی رواج رہا۔ شاہ عبدالقادر نے ترجمہ کے ساتھ مختصر حواشی لکھے۔ بعد ازاں نئے رجحانات اور مسالک نے سر اٹھایا تو لوگوں نے اپنے خیالات کے اثبات اور دوسرے کی تردید کے لیے قرآنی دلائل لانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے ترجمہ قرآن میں تو اس قدر گنجائش نہ تھی البتہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے تفسیر کا سہارا لیا گیا۔ گویا مقصد تفسیر لکھنا تھا اور ترجمہ تو صرف ایک سیٹ (تفسیر بمع ترجمہ) بنانے کے لیے کیا گیا کیونکہ صرف تفسیر چھاپنے کا رواج نہ تھا۔ ممکنہ طور پر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ ان افراد نے ترجمہ صرف تفسیر کی ضرورت کے لیے کیا۔ جیسے سر سید احمد خان (متوفی 1898) نے تفسیر القرآن و ہوا الہدی والفرقان کے ساتھ ترجمہ بھی لکھا۔ مولانا عبداللہ چکڑالوی نے حدیث کی عدم ضرورت کو ثابت کرنے اور قرآن ہی کو کافی و ثانی ثابت کرنے کے لیے ”تصریف القرآن بآیات القرآن“ لکھی۔ جس کے مقدمہ میں قرآن فہمی کے اصول مرتب کیے جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کے علاوہ کسی کلام کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن اپنی تشریحات خود رکھتا ہے۔ یہ فکر تفسیر میں تو کھول کر بیان کی جاسکتی ہے۔ مگر ترجمہ میں اس کو بیان کرنا آسان نہیں تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے خیالات کی ترویج میں تفسیر لکھی مگر چونکہ محض تفسیر لکھنے اور چھاپنے کا رواج نہیں۔ سو ترجمہ بھی ساتھ لکھنا پڑا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں ”اطیعوا الرسول“ آیا ہے اس کا ترجمہ رسول کی اطاعت ہی کیا ہے۔ مگر تفسیر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہاں رسول سے مراد کوئی معین شخصیت نہیں بلکہ ایک ”نظام“ ہے۔

اسی طرح کسی تفسیر کے جواب میں تفسیر لکھی گئی تو اس کے ساتھ بھی ترجمہ لکھا گیا جو کہ ایک سیٹ مکمل کرنے کے لیے تھا۔ مثلاً سر سید احمد خان کی تفسیر کے جواب میں فتح المنان المعروف تفسیر حقانی لکھی گئی۔ مولوی اسحاق تفسیر حقانی کی وجہ تالیف لکھتے ہیں: جب سر سید احمد خان کی ”تفسیر القرآن و ہوا الہدی والفرقان“ شائع ہوئی تو دہلی کے علماء و اہل علم میں کھرام مچ گیا۔ تمام دہلی کے علماء حقانی منزل میں جمع ہوئے اور آپ (مولانا عبدالحق حقانی) سے گزارش کی کہ آپ اس کا جواب لکھیں۔ آپ نے دو سو صفحات پر مشتمل کتاب لکھی۔ جسے بہت پسند کیا گیا۔<sup>30</sup>

مولانا عبدالحق حقانی (1389ھ بمطابق 1969) نے بھی تفسیر کی جلد اول میں تو واضح طور پر نہیں لکھا کہ یہ تفسیر سر سید احمد خان کی تفسیر کے رد میں ہے۔ مگر جن افکار و مباحث کا آپ نے جواب لکھا ہے وہ سر سید احمد خان کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: لہذا حمیت ایمانی، اور اہل اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبوراً رد میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور ہوا۔<sup>31</sup>

## قرآن فہمی کافروغ

شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحب زادوں کے پیش نظر ترجمہ قرآن کا مقصد بھی قرآن فہمی کافروغ رہا۔ اردو مترجمین میں سے ابوالکلام آزاد (متوفی 1958) کا خیال ہے کہ قرآن کریم کے کسی مقام سے صحابہ و تابعین کے تفسیری اقوال اور مابعد کی تفسیروں کا تقابل کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ صحابہ و سلف کی تفسیر میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا، اور الجھاؤ پیدا ہو گئے۔ ان کے نزدیک یہ معاملہ فہم حقیقت سے مانع ہے۔ مزید برآں انہوں نے مفسرین کا قرآنی وضع کو اپنی وضع میں ڈھال لینا، اسراہیلیات کافروغ، دور از کار دقیقہ سنجیاں، قرآن کا ہر دور کی تحقیقات علمیہ کا ساتھ دینا، قرآن کے مفہوم کو کھینچ کر اپنے مقصود مفہوم کے مطابق بنانا جیسے اسالیب کو فہم حقیقت سے مانع بیان کیا ہے۔ ان اسباب کے تدارک اور فہم حقیقت کو ممکن بنانے کے لیے انہوں نے ترجمان القرآن لکھا۔ جس میں اپنے اصول ترجمہ درج ذیل بیان کیے ہیں "اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم و تندر کے لیے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے، جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات نہ ہوں، لیکن وہ سب کچھ ہو، جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے۔ اس غرض سے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے امید ہے کہ اہل نظر اس کی موزونیت بہ یک نظر محسوس کر لیں گے۔ پہلے کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ رہے۔ اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔"<sup>32</sup>

ابوالکلام آزاد نے اپنے ترجمہ کی قوسین میں تشریحی و توضیحی نوٹ بھی لکھے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ کی اس نوع کو صرف ترجمہ کی بجائے تفسیری ترجمہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ یوں ترجمہ کا نیا انداز بھی نئے ترجمہ قرآن کا سبب بنا ہے۔ اردو ترجمہ قرآن کی تاریخ میں جب ترجمہ قرآن میں لفظی و معنی کے ساتھ محاورہ کے اسلوب میں ترجمہ کرنے کی کوششیں ہو چکیں اور ایک دوسرے کے جواب میں تراجم و تفاسیر بھی لکھے جاسکے تو یہ محسوس کیا جانے لگا کہ قاری قرآن متذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر صرف ترجمہ کو پڑھے تو اس میں وہ ربط نہیں کہ بات فوری سمجھ آجائے۔ اگر ترجمہ کی عبارت سمجھ آجائے تو اس میں وضاحت کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ مزید برآں ترقی پسندیت کی دوڑ میں لوگ قرآن فہمی سے دور ہونے لگے۔ اس ضرورت کے پیش نظر کچھ ایسے تراجم بھی سامنے آئے جن میں ترجمہ آسان بھی کیا گیا اور عبارت سمجھنے کے لیے قوسین میں کچھ الفاظ بھی بڑھائے گئے۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے سابق وائس چانسلر (ڈاکٹر) حامد حسن بلگرامی نے اپنے ترجمہ و تفسیر "فیوض القرآن" تحریر کرنے کی غرض و غایت یوں بیان کی ہے۔ "آج دور حاضر کے ذہن اور اس کے استدلالی مزاج کے پیش نظر قرآنی آیات کے مطالب ایسے پراثر انداز میں پیش کیے جانے کی ضرورت ہے کہ آیات کے مطالب اور مفہوم کے ساتھ، ربط آیات، بیان کا تسلسل، اعجاز بیان کی ندرت اور قرآن کا معجزانہ انداز ہدایت بہ یک وقت نمایاں ہوتا جائے، جو قرآن کی رفعتوں کا بھی ترجمان ہو اور وسعتوں کا بھی، اور طالب

ہدایت کے ذہن میں وہ خطرے نہ پیدا ہوں، جو تفہیم دین میں خارج ہوتے ہیں تاکہ قرآن پاک کے حقیقی فہم تک ان کی رسائی ہو سکے اور اس کے انوار و برکات سے وہ مستفید اور مستفیض ہوں۔" <sup>33</sup>

یہ فرق ملحوظ رہے کہ ابوالکلام آزاد کا ترجمہ و تفسیر عربی تفاسیر میں اقوال کی بھرمار اور دقیقہ سنجیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے تھا۔ جبکہ حامد حسن بلگرامی کا اردو ترجمہ قرآن کا موجب اردو تفسیر ادب میں اقوال کی بھرمار ہے۔

ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی ایک تعلیمی ادارہ کے سربراہ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ترجمہ و تفسیر قرآن کی جو ضرورت پیش کی ہے ممکن ہے اس کے پیچھے ان کے کچھ تجربات ہوں جن سے انہوں نے یہ ضرورت کشید ہو۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ترجمہ کا جو انداز انہوں نے اپنایا اس کو یوں بیان کرتے ہیں "ترجمہ میں قرآن مجید کی تاثیر، اس کی معنویت و مقصد سے لانے کے لیے قدیم مفسرین کے انداز پر ترجمہ کے دوران جا بجا چھوٹے چھوٹے مختصر مگر قرآنی مقصود کو نہایت وضاحت سے پیش کرنے والے جملے قوسین میں لکھے گئے ہیں، جگہ جگہ مختصر اور پر اثر تشریح بھی ہے جو مستند تفاسیر پر مبنی ہے، تاکہ ربط کلام بھی باقی رہے۔" <sup>34</sup> قطع نظر اس کے کہ حامد حسن بلگرامی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ بہر حال یہ ترجمہ قرآن کی ایک نئی کوشش ہے۔

### ہم خیال / ہم مسلک لوگوں کے لیے سہولت

اردو مترجمین قرآن کا اولین مقصد قرآن فہمی رہا ہے۔ جو اسباب ہم اوپر پڑھ آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ موثر سبب یہ کہ الفاظ و محاورات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایک نئے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین نے لکھا ہے کہ "ایک معینہ وقت میں کیے ہوئے ترجمے لسانی اعتبار سے چالیس پچاس سال بعد ترجمہ کے زبان کی چاشنی سے کسی حد تک محروم ہو جاتے ہیں۔" <sup>35</sup> مگر اردو ترجمہ قرآن کی تاریخ میں یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف مسالک کے نمائندہ تراجم منظر عام پر آ رہے ہیں، جس کی ممکنہ وجہ ہو سکتی ہے کہ مترجمین نے اپنے ہم خیال یا ہم مسلک لوگوں کی قرآن فہمی کے لیے ترجمہ قرآن کا بندوبست کیا ہے۔ بعض ایسے تراجم بھی منظر عام پر آئے ہیں جن کے مترجمین نے سابقہ تراجم کا مطالعہ کر کے اپنے ترجمہ کی تشکیل کر دی ہے، مگر کوئی نئی جہت یا ضرورت کو بیان نہیں کیا۔ ایسے تراجم کی ممکنہ وجوہات یہ ہو سکتی ہے کہ ایک عرصہ سے درس تفسیر قرآن جاری تھا تو اس قدر نوٹس تیار ہو چکے تھے کہ ان کو ترتیب دیا تو ایک ترجمہ قرآن بن گیا۔ پھر اسے اپنے مطبع سے قرآن شریف بمع ترجمہ شائع کر کے اپنے حلقہ احباب کے لیے سہولت مہیا کر دی۔

محسن علی نجفی <sup>36</sup> نے اپنا ترجمہ قرآن بمع حواشی کے مقاصد میں یہ بیان کیا ہے کہ "جدید معاندانہ تحریروں اور الزام تراشیوں کے مقابلے میں مکتب اہل بیت علیہم السلام کا مؤقف بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔" <sup>37</sup>

### ذوق کی تسکین

معانی قرآن کی تبلیغ و تشریح ایک سعادت مند کام ہے۔ "بلغو عفی ولو آیتہ" 38 کے تناظر میں اس پیغام کو پہنچانے میں ہر کسی نے ممکن کوشش کی۔ کسی نے تقریری طور پر یہ کام سرانجام دیا تو کسی نے تحریری طور پر۔ بعض مترجمین و مفسرین نے توشہ آخرت اور حصول سعادت کے لیے بھی ترجمہ و تفسیر قرآن پر کام کیا۔ مولانا عاشق الہی بلند شہری لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اردو میں اکابر کی متعدد تفسیریں موجود ہیں تجھے نئی تفسیر لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو میں اس کا جواب دینے سے قاصر ہوں مگر مجھے اپنے طور پر اس بات کی خوشی ہے کہ میری عمر کے آخری چند سال قرآن کریم کی خدمت میں خرچ ہو گئے۔" 39

### نتیجہ بحث و تجاویز

قرآن کریم کا ترجمہ ایک مستحسن عمل ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا یہ کہنا کہ مابعد کے تراجم خاندان شاہ ولی اللہ کے تراجم کی ہی تصحیحات، تقدیم و تاخیر ہیں، درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مابعد مترجمین نے ان کے ہی تراجم کی روشنی میں تراجم کیے ہیں۔

کچھ مترجمین نے یہ کوشش کی کہ رسائل و جرائد لکھ کر ہی سابقہ تراجم میں جو تصحیحات ضروری ہیں کر دی جائیں، مگر پورے قرآن شریف پر اگر یہ کام کیا جائے تو یہ ایک الگ کتاب بن سکتی ہے۔ قارئین کے لیے ترجمہ قرآن کو پڑھنے کے ساتھ الگ سے اس کتاب کو پڑھنا ایک دوہری مشقت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس لیے انہوں نے ضروری تصحیحات کو لیے لیے نئے ترجمہ کو لانا ہی مناسب گردانا۔

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین کے بیان کردہ اسباب ترجمہ بھی حقیقت بر مبنی ہیں جن پر مترجمین کے اصول ترجمہ و تحریریں دلالت کرتی ہیں۔ البتہ ڈاکٹر صالحہ نے تجارتی مقاصد کو بھی اسباب ترجمہ میں لکھا ہے، مگر اس پر راقم کو کوئی دلیل نہ مل سکی۔ البتہ وہ تراجم جو حقیقت میں سلسلہ دروس قرآن کے نوٹس تھے جنہیں جمع کیا گیا تو وہ ایک ترجمہ کی شکل اختیار کر گئے۔ اس پر کوئی اصول ترجمہ یا اسباب ترجمہ نہیں بتائے گئے۔ اس کی اشاعت کی ممکنہ وجہ تجارت اور منفعت حاصل کرنا ہو سکتا ہے۔

ترجمہ جب ایک فن کے طور پر متعارف ہوا اور اس کے اصول و اسالیب متعارف ہوتے ہیں تو ترجمہ کے مختلف اسالیب کے طرز پر بھی نئے تراجم قرآن کیے گئے۔

قرآن کریم کا ترجمہ معانی قرآن کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش ہے جو کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآنی اعجاز بھی ہے۔ اس لیے مستقبل میں بھی بہتر سے بہترین کی کوشش جاری رہے گی۔

اردو ترجمہ قرآن کا بنیادی مقصد قرآن فہمی ہے۔ ابنائے زمانہ کی سہولت کے لیے اس کو آسان بنانا مترجمین کی اولین ترجیح رہی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے پرانے تراجم کی تسہیل، نئے ترجمہ یا ترجمہ کی مختلف صورتوں (یعنی لفظی سے با محاورہ اور تفسیری ترجمہ) کو اپنانے کی بھی کوشش کی جاتی رہی۔

قرآن کریم کی خدمت باعث یمن و سعادت ہے۔ محض ثواب کی نیت سے بھی اردو تراجم کیے ہیں۔

اس مقالہ میں جو اسباب ترجمہ بیان کیے گئے ہیں وہ حتمی نہیں ہیں۔ مزید مطالعہ یا نئی جہات کے سامنے آنے پر مزید اسباب ترجمہ بھی سامنے آسکتے ہیں۔

## References

- <sup>1</sup> ڈاکٹر حمید اللہ کی تیار کردہ فہرست میں ایک سو بیس (120) زبانوں کا تذکرہ ہے جن میں قرآن کا ترجمہ ہوا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر احمد خان نے اپنی کتاب "قرآن کریم کے اردو تراجم" میں ایک ہزار سے زائد مکمل اور جزوی اردو تراجم کا تذکرہ کیا ہے۔
- <sup>2</sup> تیسری صدی ہجری کے مشہور سیاح بزرگ ابن شہر یار نے اپنے سفر نامہ "عجائب الہند" میں قرآن مجید کے ایک ترجمہ کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کے راجہ مہروک کی ایما پر تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستانی زبان میں کیا گیا تھا۔ بحوالہ، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن کریم کے اردو تراجم، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1981)، 80۔
- <sup>3</sup> یہ امر ملحوظ رہے کہ نور الحسن راشد کاندھلوی نے اپنے ایک مضمون میں شاہ رفیع الدین کی طرف موضح القرآن کے انتساب کو مشکوک قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: نور الحسن راشد کاندھلوی، ترجمہ قرآن "موضح القرآن" کا شاہ رفیع الدین سے انتساب (ایک تحقیقی جائزہ)، فکر و نظر، اسلام آباد، 2: 42، (2004)۔27۔
- <sup>4</sup> اخلاق حسین قاسمی، مقدمہ مستند موضح قرآن، 25۔
- <sup>5</sup> صالحہ عبدالحکیم، دیباچہ قرآن حکیم کے اردو تراجم، ب۔
- <sup>6</sup> صالحہ عبدالحکیم، قرآن حکیم کے اردو تراجم، 67-69۔
- <sup>7</sup> جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ اؤس، 1989ء)، 1: 1۔
- <sup>8</sup> محمد عبداللہ، ڈاکٹر، "اردو ترجمہ قرآن اور لسانی ارتقاء"، مضمون مقالات قرآن کانفرنس، مرتبین۔ سلیم طارق خان و عبدالرؤف ظفر، (بہاولپور: کلیہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، 2009)، 1: 101۔
- <sup>9</sup> اس سے مراد شاہ عبدالقادر بلوی ہیں۔ جنہوں نے موضح قرآن تصنیف کیا ہے۔
- <sup>10</sup> محمود حسن دیوبندی، موضح فرقان مجید، (کراچی: دارالتصنیف لمیٹڈ)، 2۔
- <sup>11</sup> اختر شاہ جہاں پوری، تسہیل کنز الایمان، (لاہور: اعلیٰ حضرت نیٹ ورک، 2012)۔
- <sup>12</sup> مکتبۃ المدینہ، قرآن و سنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوت اسلامی کا اشاعتی ادارہ ہے جس کے امیر مولانا محمد الیاس عطار قادری ہیں۔
- <sup>13</sup> محمود حسن دیوبندی، موضح فرقان مجید، 6۔
- <sup>14</sup> تھانوی، مولانا شرف علی، خطبہ تفسیر بیان القرآن، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ)، 1: 6۔
- <sup>15</sup> تھانوی، مولانا شرف علی، خطبہ تفسیر بیان القرآن، 1: 6۔
- <sup>16</sup> ڈپٹی نذیر احمد، لیکچروں کا مجموعہ، جلد اول، ص: 78، بحوالہ، افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، مولوی نذیر احمد بلوی، (احوال و آثار)، (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2012ء)، 323۔
- <sup>17</sup> ایضاً
- <sup>18</sup> سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، (لاہور: فرید بکسٹال، 1999)، 1: 37۔

*Tradition of Urdu Translation of the Holy Quran;  
An overview of Causes and Motivations.*

---

- <sup>19</sup> عطاء الرحمن قادری، کنز الایمان اور صدر الشریعہ، (لاہور: اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)
- <sup>20</sup> تفصیل کے لیے دیکھیے: احمد رضا خان بریلوی، اعلیٰ حضرت، فتاویٰ رضویہ، (لاہور: رضا فاؤنڈیشن)، 457:26۔
- <sup>21</sup> تھانوی، مولانا شرف علی، خطبہ تفسیر بیان القرآن، 1:6۔
- <sup>22</sup> غلام سرور قادری، مقدمہ عمدۃ البیان فی ترجمہ القرآن، (لاہور: عمدۃ البیان پبلیشرز، 2007)
- <sup>23</sup> امرتسری، ثناء اللہ، مولانا، مقدمہ تفسیر ثنائی، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2002ء)، 18۔
- <sup>24</sup> مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفسیر القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن)، 11:1۔
- <sup>25</sup> شاہ ولی اللہ، "دیباچہ فتح الرحمن"، مشمولہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ، مرتب۔ عطاء الرحمن قاسمی، (نیو دہلی: شاہ ولی اللہ انسٹیٹیوٹ، 2014)، 4:502۔
- <sup>26</sup> نور الحسن راشد کاندھلوی، ترجمہ قرآن "موضح القرآن" کا شاہرہ فہم الدین سے انتساب (ایک تحقیقی جائزہ)، فکر و نظر، اسلام آباد، 2:42، (2004)۔27۔
- <sup>27</sup> عطاء الرحمن قادری، کنز الایمان اور صدر الشریعہ، (لاہور: اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)، 2۔
- <sup>28</sup> تھانوی، اشرف علی، خطبہ تفسیر بیان القرآن، 1:6۔
- <sup>29</sup> محمود حسن دیوبندی، موضح فرقان مجید، 6۔
- <sup>30</sup> محمد اسحاق، خلاصۃ العقائد مع حیات حقانی، (کراچی: مکتبہ امام)، 2:210۔
- <sup>31</sup> عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، 2009ء)، 2:5۔
- <sup>32</sup> ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، (لاہور: اسلامی اکادمی، 1931)، 1:48۔
- <sup>33</sup> حامد حسن بلگرامی، فیوض القرآن، (لاہور: فیروز سنز، 1992)، 1:6۔
- <sup>34</sup> حامد حسن بلگرامی، فیوض القرآن، 1:7۔
- <sup>35</sup> صالح، عبدالحکیم، قرآن حکیم کے اردو تراجم، 67۔
- <sup>36</sup> شیخ محسن علی نجفی پاکستان کے شمالی علاقہ جات اسکرو بلتستان کی تحصیل کھر منگ کے گاؤں منٹھو کھامیں 1938 کو پیدا ہوئے۔ آپ ایک شیعہ عالم دین ہیں۔ آپ نے بلاغ القرآن کے تصنیفی خدمات کے ساتھ ساتھ فابھی خدمات بھی سرانجام دی ہیں۔
- <sup>37</sup> محسن علی نجفی، مقدمہ بلاغ القرآن، (لاہور: امامیہ آرگنائزیشن، 2007)
- <sup>38</sup> بخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، (مصر: دار طور النجا، 1312ھ)، 170۔
- <sup>39</sup> عاشق الہی بلند شہری، انوار البیان، (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، 2011)، 23۔